

ساحر لدھیانوی

اصل نام عبدالحی نیز چودھری عبدالحی تھا۔ ساحر تخلص کرتے تھے۔ ان کے والد کا نام چودھری فضل محمد تھا۔ یہ لودھیوالہ کے جاگیردار تھے۔ ساحر کی والدہ کا نام سردار بیگم تھا۔ یہ فضل محمد کی گیارہویں بیوی تھیں۔ ان سے پہلے کسی بھی بیگم سے اولاد نہ رہی تھی۔ سردار بیگم کی بطن سے ساحر، بزرگوں کی دعا درگاہ صابر بکیری اور خانقاہوں میں منت و ساجت کے نتیجے میں 8 مارچ 1921ء کو پیدا ہوئے۔



ساحر کی ابتدائی تعلیم مولانا فیاض ہریانوی کی تربیت میں ہوئی اور ان سے فارسی سیکھی۔ پنجابی تو مادری زبان تھی۔ اردو اور انگریزی پر دسترس حاصل تھی۔ 1937ء میں میٹرک پاس کیا۔ اس کے بعد انھوں نے گورنمنٹ کالج لدھیانہ میں داخلہ لیا۔ ان کے مضامین میں فلسفہ اور فارسی کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ ساحر کی نظمیں 1940ء سے ہفتہ وار 'افغان' (بہمنی)، ہفتہ وار، کیرتی لہر، (میرٹھ) میں شائع ہونے لگیں۔ اب ساحر اپنی والدہ کے ساتھ لاہور آ گئے تھے اور دیال سنگھ کالج میں داخلہ لیا۔ اسی کالج سے انہوں نے عوامی زندگی کا مشاہدہ کیا اور یہ شعور مسلسل جلا پاتا رہا۔ دیال سنگھ کالج سے نکل کر ساحر نے اسلامپور کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ لیکن 1943ء میں یہ سلسلہ بھی موقوف ہو گیا۔ ساحر نے رسالہ 'ادب لطیف' کی ادارت کی 1945ء میں انجمن ترقی پسند مصنفین کی پانچویں کل ہند کانفرنس میں ساحر نے شرکت کی اور ایک مقالہ جدید انقلابی شاعری پر پڑھا۔ جس کی بہت زیادہ پذیرائی ہوئی۔ ساحر رسالہ 'سور' اور 'شاہراہ' سے بھی وابستہ ہوئے اور پھر ان کا تعلق فلموں سے ہو گیا جس کے بعد وہ ممتاز گیت کار ثابت ہوئے۔ ساحر کا آخری پڑاؤ فلم انڈسٹری ہی تھا۔ ساحر کے کلام کا مجموعہ 'تنہائیاں' (1940ء)، 'پرچھائیاں' (1951ء)، 'آؤ کہ کوئی خواب نہیں' (1971ء) اور 'گاتا جائے' بخارہ وغیرہ ہیں۔ ساحر ترقی پسند شاعر ہیں ان کی شاعری میں زندگی کی تلخ سچائیاں ہیں۔ دوسروں کی طرح وہ مزدوروں کے شاعر ہیں۔ ان کی شاعری متوسط طبقے کے عام تعلیم یافتہ نوجوانوں کی طرف ہے۔ بقول طلیل الرحمن اعظمی: 'ان کے طرز میں نہ تو جدید اشارتیت اور موموم کیفیات کی عکاسی ہے اور نہ ہی کھروراپن۔ اس میں ایک وضاحت، بے ساختگی اور شیرینی ہے جو براہ راست عام نوجوانوں کو متاثر کرتی ہے' 25 اکتوبر 1980ء کو ساحر کا انتقال ہو گیا۔

پر چھائیاں

جوان رات کے سینے میں دودھیا آنچل
 بچل رہا ہے کسی خواب مرمریں کی طرح
 حسین پھول، حسین پتیاں، حسین شاخیں
 لپک رہی ہیں کسی جسم نازنین کی طرح
 فضا میں گھل سے گئے ہیں افق کے نرم خطوط
 زمیں حسین ہے خوابوں کی سرزمین کی طرح
 تصورات کی پرچھائیاں ابھرتی ہیں
 کبھی گمان کی صورت، کبھی یقیں کی طرح
 وہ پیڑ جن کے تلے ہم پناہ لیتے ہیں
 کھڑے ہیں آج بھی ساکت کسی امیں کی طرح

انہیں کے سہائے میں پھر آج دو دھڑکتے دل
 خموش ہونٹوں سے کچھ کہنے سننے آئے ہیں
 نہ جانے کتنی کشاکش سے کتنی کاوش سے
 یہ سوتے جاگتے لمحے چڑا کے لائے ہیں

ہمارا پیار حادثہ کی تاب لا نہ سکا
 مگر انہیں تو مرادوں کی رات مل جائے
 ہمیں تو کشاکش مرگ ہے اباب ہی ملی
 انہیں تو جھومتی گاتی حیات مل جائے

بہت دنوں سے ہے یہ مشغلہ سیاست کا
 کہ جب جوان ہوں بچے تو قتل ہو جائیں
 بہت دنوں سے ہے یہ خط حکمرانوں کو
 کہ دوردور کے ملکوں میں قحط ہو جائیں

بہت دنوں سے جوانی کے خواب دیراں ہیں
 بہت دنوں سے محبت پناہ ڈھونڈتی ہے
 بہت دنوں سے ستم دیدہ شاہراہوں میں
 نگار زیت کی عصمت پناہ ڈھونڈتی ہے

چلو کہ آج سبھی پامال روحوں سے
 کہیں کہ اپنے ہر اک زخم کو زہاں کر لیں
 ہمارا راز، ہمارا نہیں سبھی کا ہے
 چلو کہ سارے زمانے کو رازداں کر لیں

چلو کہ چل کے سیاسی مقامروں سے کہیں
 کہ ہم کو جنگ و جدل کے چلن سے نفرت ہے
 جسے لہو کے سوا کوئی رنگ راس نہ آئے
 ہمیں حیات کے اُس پیرہن سے نفرت ہے

کہو کہ اب کوئی قاتل اگر ادھر آیا
 تو ہر قدم پہ زمیں تنگ ہوتی جائے گی

ہر ایک موج ہوا رخ بدل کے چھپنے گی
ہر ایک شاخ رگ سنگ ہوتی جائے گی

اٹھو کہ آج ہر اک جنگجو سے یہ کہہ دیں
کہ ہم کو کام کی خاطر گلوں کی حاجت ہے
ہمیں کسی کی زمیں چھیننے کا شوق نہیں
ہمیں تو اپنی زمیں پر ہلوں کی حاجت ہے

کہو کہ اب کوئی تاجر ادھر کا رخ نہ کرے
اب اس جگہ کوئی کنواری نہ بچی جائے گی
یہ کھیت جاگ پڑے اٹھ کھڑی ہوئیں فصلیں
اب اس جگہ کوئی کیاری نہ بچی جائے گی

یہ سرزمین ہے گوتم کی اور نایک کی
اس ارض پاک پہ وحشی نہ چل سکیں گے کبھی
ہمارا خون امانت ہے نسل نو کے لیے
ہمارے خون پہ لشکر نہ مل سکیں گے کبھی

کہو کہ آج بھی ہم سب اگر خاموش رہے
تو اس دھکتے ہوئے خاکداں کی خیر نہیں
جنوں کی ڈھالی ہوئی ایٹمی بلاؤں سے
زمیں کی خیر نہیں، آسمان کی خیر نہیں

گزشتہ جنگ میں گھر ہی جلے، مگر اس بار
عجب نہیں کہ یہ تنہائیاں بھی جل جائیں
گزشتہ جنگ میں پیکر جلے، مگر اس بار
عجب نہیں کہ یہ پرچھائیاں بھی جل جائیں

تصویرات کی پرچھائیاں ابھرتی ہیں

لفظ و معنی

دہقان	- کاشت کار، کسان
اللاس	- غریبی، تنگ دستی
خلوت	- تنہائی، گوشہ نشینی، خواب گاہ
جلوت	- باہر، سب کے سامنے
عریاں	- تنگ، برہنہ
مجاز	- لڑائی کی جگہ، مقابل، سامنے
الم	- رنج، غم، دکھ
فراست	- دانائی، حیرت
گام	- راستہ، منزل
مرگ	- موت، اجل
پیرہن	- پوشاک
افق	- آسمان کا کنارہ
تصویرات	- خیالات، دھیان
ساکت	- ٹھہرا ہوا، جامد
کادش	- کوشش
سرت	- خوشی

خٹک	-	سوکھا
عز و کرم	-	اکساری و مہربانی
جزیرہ	-	ناپو، خٹکی کا وہ حصہ جس کے چاروں طرف پانی ہو
صدائیں	-	آوازیں
ٹٹاہیں	-	خیبے کی رسی
خراشیں	-	چھیلن، رگڑ
قبائیں	-	لباس، ایک قسم کا لمبا کوٹ جو آگے سے کھلا ہوتا ہے
آپ سنے پڑھا		

□ شاعر نے اس نظم میں اپنی یادوں کو سمیلنے کی کوشش کی ہے۔ انسان کی زندگی میں بہت سے نشیب و فراز یعنی اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں۔ ایک فرد متعدد خانوں میں منقسم رہتا ہے۔ اس کی ذاتی زندگی محبت، سماجی ذمہ داری، بڑھتے ہوئے مسائل، بدلتے ہوئے سیاسی حالات اور تہذیب و تمدن میں فطری طور پر وہ آنے والے تغیرات کے درمیان کبھی ایک تماشائی بن جاتی ہے اور کبھی ان تمام عوامل کے لیے آلہ کار بننا پڑتا ہے۔

□ شاعر نے ابتدائے شعور سے لے کر عمر کی بڑھتی ہوئی منزلوں کی، نجی اور خارجی مسائل و حالات کی شاعرانہ عکاسی کی ہے۔

آپ بتائیے

1. شاعر نے اپنی نظم کا عنوان 'پرچھائیاں' کیوں رکھا ہے؟
2. نظم 'پرچھائیاں' میں کن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے؟
3. 'تصورات کی پرچھائیاں' ابھرتی ہیں
مندرجہ بالا مصرع کی وضاحت کیجیے۔
4. جوان رات کے سینے پہ دودھیا آنچل
چل رہا ہے کسی خواب مرمریں کی طرح
درج بالا شعر کی تشریح کیجیے۔

مختصر گفتگو

1. ساحر کا اصل نام کیا ہے؟

2. ساحر کا سنہ پیدائش کیا ہے؟
3. شاعر کے ذہن میں کس کی پرچھائیاں ابھرتی ہیں؟
4. ساحر کے دو شعری مجموعے کا نام لکھیے۔
5. ساحر پہلے پہل کس رسالے کے ایڈیٹر ہوئے؟
6. ساحر کا انتقال کب ہوا؟

تفصیلی گفتگو

1. نظم پر چھائیاں کا مرکزی خیال لکھیے۔
2. نظم کی تعریف کیجیے اور اس کی قسمیں بتائیے۔
3. نظم کے آخری بند میں شاعر نے کیا کہا ہے؟ وضاحت کیجیے۔
4. مندرجہ بالا الفاظ کے جملے بنائیے۔
تصورات، پرچھائیاں، فضا، اداسی، تمنا، تجارت، خط
5. واحد سے جمع اور جمع سے واحد بنائیے۔
قوم، انواع، اقسام، تجارت، فرد، فقیر، آراء، مساکین

آئیے، کچھ کریں

1. ساحر لدھیانوی کی شاعری سے متعلق دس جملے لکھیے۔
2. نصاب میں شامل نظم کے دو بند یاد کیجیے۔

زبیر رضوی

پورا نام سید زبیر احمد رضوی اور والد کا نام سید محمد رضوی ہے۔ زبیر رضوی 1936ء میں امر وہہ (پوپی) میں پیدا ہوئے۔ زبیر رضوی کی ابتدائی تعلیم امر وہہ اور حیدرآباد میں ہوئی۔ لیکن اردو میں ایم۔ اے دلی یونیورسٹی سے کیا۔ ان کی پہلی تحریر 1969ء میں 'ماہ نو' کراچی میں شائع ہوئی۔



ان کی تخلیقات میں 'مہر لہر ندیا گہری'، 'خشت دیوار'، 'دامن'، 'پرانی بات ہے'، 'انگلیاں فگار اپنی'، 'دھوپ کا سائبان' اور 'مسافت شب' ہے۔ ان کی کلیات 'پورے قد کا آئینہ' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ زبیر رضوی کی دوسری کتابیں 'غالب اور فنون لطیفہ' اور 'اردو فنون و ادب' ہیں۔ آل انڈیا ریڈیو سے وابستہ رہے۔ اسی ملازمت سے اپریل 1993ء میں ڈائریکٹر کے عہدے سے سبک دوش ہوئے۔

زبیر رضوی کی نظمیں زندگی اور سماج کی بوقلمونی کو پیش از پیش پیش کرتی ہیں۔ ان کی نظمیں عام طور پر خضر ہوتی ہیں لیکن ان میں جامعیت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔

یہ ہے میرا ہندوستان

یہ ہے میرا ہندستان

میرے سپنوں کا جہان

اس سے پیار مجھ کو

ہنستا، گاتا، جیون اس کا، دھوم مچاتے موسم

گنگا، جتنا کی لہروں میں سات سروں کے سرگم

تاج، ایلورہ جیسے سندر تصویروں کے الم

یہ ہے میرا ہندستان

میرے سپنوں کا جہان

اس سے پیار مجھ کو

دن الیلے، راتیں اس کی مستی کی سوداگر

دھرتی جیسے پھوٹ بھی ہو دودھ کی کچی گاکر

اونچے اونچے پر بت اس کے ٹیلے ٹیلے ساگر

یہ ہے میرا ہندستان

میرے سپنوں کا جہان

اس سے پیار مجھ کو

بادل جھومے، برکھا بر سے، پون جھکولے کھائے

دھرتی کے پھیلے آگن میں یوں کھیتی لہرائے

جیسے بچہ ماں کی گود میں رہ رہ کے مکھائے

یہ ہے میرا ہندستان

میرے سپنوں کا جہان

اس سے پیار مجھ کو

رادھا، سیتا، چندر گائے، گائے اندوہاں

نینوں میں کاجل کے ڈورے سرخ گلابی گال

زلفوں کی وہ چھایا جیسے شملہ، نینی تال

یہ ہے میرا ہندستان

میرے سپنوں کا جہان

اس سے پیار مجھ کو

ڈھولک جاگی، مہندی لاگی، رنگ رنگیلا ساون

سکھیاں مل مل ہوئی کھیلیں، سانوریا کے آنگن

گھونگھٹ میں گوری شرمائے پیاملن کے کارن

یہ ہے میرا ہندستان

میرے سپنوں کا جہان

اس سے پیار مجھ کو

راجہ، رانی، گڈا، گڈی اور پریوں کی کہانی

بچوں کے جھرمٹ میں سنائے بیٹھ کے بوڑھی نانی

لوری گائے، ماتھا چوسے، متا کی دیوانی

یہ ہے میرا ہندستان

میرے سپنوں کا جہان

اس سے پیار مجھ کو

الہیلا پنجاب ہے اس کا رومانوں کی بستی
صبح بنارس، شام اودھ اور شالامار کی مستی
بہتی جیسے شہر ہیں اس میں دلی جیسی بستی

یہ ہے میرا ہندستان

میرے سہنوں کا جہان

اس سے پیار مجھ کو

غالب اور ٹیگور یہیں کے میرا کالیداس

یہیں ہوا تھا سچائی کا گوتم کو احساس

یہیں لیا تھا ساتھ رام کے سیتا نے بن باس

یہ ہے میرا ہندستان

میرے سہنوں کا جہان

اس سے پیار مجھ کو

مندر، مسجد ہیں تو کہیں ہیں گرجا اور شوالے

ملا، پنڈت، گیتا اور قرآن کے ہیں متوالے

ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی دیش کے سب رکھوالے

یہ ہے میرا ہندستان

میرے سہنوں کا جہان

اس سے پیار مجھ کو

لفظ و معنی

بستی	-	گاؤں
پنا	-	خواب
گاگر	-	گھڑا

ساگر	- سمندر
پیار	- محبت
سوداگر	- تاجر، تجارت کرنے والے
دلش	- ملک، وطن
سُر	- دھن
پون	- ہوا
آپ نے پڑھا	

□ اس گیت میں شاعر نے اپنے وطن ہندوستان سے اپنی الٹ گہری محبت کا اظہار کیا ہے۔ اس کے ہر بند میں ہندوستان کے حسین مناظر کو پیش کیا ہے۔ شاعر نے اپنے ارد گرد کی تمام چیزوں کا گہرائی سے مشاہدہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہاں گنگا جمن کی لہریں گاتی رہتی ہیں۔ تاج محل اور ایلورا جیسے حسین مناظر ہیں یہاں کی زمین پاک صاف ہے۔ لالچے پہاڑوں سے یہاں حسن میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہاں کی زرخیز زمین میں کھیتی لہلہاتی رہتی ہے۔ یہاں کے ہر خطے کا الگ الگ حسن دل کو کھینچتا ہے۔ یہاں کے پر ب تہوار میں سب مل جل کر خوشیاں مناتے ہیں۔ یہاں کے گاؤں میں سکون اور شانتی ہے۔ شہروں میں ہماہمی کے باوجود رومان اور مستی ہے۔ یہاں بڑے بڑے فنکاروں اور صوفیوں نے جنم لیا ہے۔ تمام مذہب و ملت کے لوگ مل جل کر اپنے مذہب کے امور انجام دیتے ہیں۔ غرض ہندوستان کی سرزمین امن، شانتی، سکون اور فطری حسن کا گہوارہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے ماحول میں شاعر اپنے ملک سے محبت کا اظہار کرتا ہے تو وہ بڑا فطری معلوم ہوتا ہے۔

آپ بتائیے

1. زیرِ رضوی کی جائے پیدائش کہاں ہے؟
(الف) میرٹھ (ب) امرتسر (ج) حیدرآباد (د) دلی
2. زیرِ رضوی کا سنہ پیدائش کیا ہے؟
(الف) 1936ء (ب) 1937ء (ج) 1938ء (د) 1940ء
3. 'لہرِ ندیا گہری' کس شاعر کا شعری مجموعہ ہے؟
(الف) بیکل اتسای (ب) اجمل سلطان پوری (ج) زیرِ رضوی (د) وسیم بریلوی

4. جمناندی کہاں ہے؟

(الف) بہار (ب) جھارکھنڈ (ج) اڑیسہ (د) دلی

5. شاعر نے سپنوں کا جہان کسے کہا ہے؟

(الف) اپنی اولاد کو (ب) اپنے والدین کو (ج) اپنے وطن ہندوستان کو (د) ان میں سے کسی کو نہیں

نقصہ کشنگو

1. زیر رضوی کس ملازمت سے وابستہ رہے؟

2. زیر رضوی کا پورا نام بتائیے۔

3. زیر رضوی کے تین شعری مجموعوں کا نام بتائیے۔

4. زیر رضوی کی پہلی تحریر کس رسالے میں شائع ہوئی؟

نقصہ کشنگو

1. زیر رضوی کے بارے میں دس سطریں لکھیے۔

2. زیر رضوی نے اپنی نظم 'یہ ہے میرا ہندوستان' میں کن کن شہروں کا نام لیا ہے؟ کسی ایک شہر کے بارے میں پانچ جملے لکھیے۔

3. شاعر کے خیال میں اس کا وطن کیسا اور کہاں ہے؟

4. واحد سے جمع بتائیے۔

شعر، تصویر، مندر، مسجد، قوم

5. جملوں میں استعمال کیجیے اور جنس بتائیے۔

تصویر، مندر، مسجد، قرآن، کھیتی

آپنی، کچھ کریں

1. زیر رضوی کی شاعری سے اپنی واقفیت کا اظہار کیجیے۔

2. زیر رضوی کے کچھ اور گیتوں کو اپنی کاپی پر لکھیے۔

3. زیر رضوی کا یہ گیت زبانی یاد کر کے سنائیے۔

ظفر یحیٰی شاہ لکھنؤ

ظرافت، مزاح اور طنز ادب کی کوئی صنف نہیں ہے بلکہ ہر صنف میں اس کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔ مزاح اور ظرافت ہنسنے ہنسانے کا نام ہے۔ ہاتوں کو اس انداز سے پیش کرنا کہ پڑھنے پر بے ساختہ ہنسی آجائے مزاح کی خصوصیت ہے اور طنز میں کس کی برائی پر نشانہ باندھا جاتا ہے۔ نشانہ سیدھے سادے باندھا جائے تو طنز ہے اور اگر مزاح کے ساتھ ہنسنے ہنساتے اگلے پلٹے انداز میں پیش کیا جائے تو ظرافت ہے۔

اردو کے مزاحیہ شاعروں میں اکبر الہ آبادی بہت مشہور ہیں۔ شوکت تھانوی، دلاور لکڑا، رضا نقوی واپسی اور احمد جمال پاشا مزاحیہ شاعروں میں قابل ذکر ہیں۔



دلاور فگار



دلاور فگار کا اصل نام دلاور حسین تھا۔ لیکن دلاور فگار کے قلمی نام سے مشہور ہوئے۔ یہ 1928ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد 1942ء میں ہائی اسکول کا امتحان دیا اور کامیاب ہوئے۔ ان کے والد ماسٹر شاکر حسین مقامی اسکول میں استاد تھے۔ دلاور فگار کے لیے یہ عالی تعلیم کا انتظام نہیں کر سکتے تھے۔

بہر طور کسی صورت سے انھوں نے انٹرمیڈیٹ اور بی اے کیا۔ اور ایک ادارے میں استاد مقرر ہوئے۔ یہ تعلیم سے غافل نہ رہے۔ معاشیات میں ایم۔ اے کیا۔ پھر اردو میں ایم اے کیا اور فرسٹ کلاس آئے۔

دلاور فگار کا شعری مجموعہ 'حادثے' 1954ء میں شائع ہوا۔ 1963ء میں مزاحیہ وطن پر یہ قطعات اور نظموں کا مجموعہ 'ستم' ظریفیاں، منظر عام پر آیا۔ ان کے شعری مجموعوں میں 'شامیت اعمال'، 'مطلع عرض ہے' اور 'آداب عرض' قابل ذکر ہیں۔

عبداللہ ولی بخش قادری لکھتے ہیں:

'ان کی شاعری میں ان کی زندگی کا پرتو صاف جھلکتا ہے ان کی طبیعت قنصع اور تلکھات سے دور لہجائی ہے۔ وہ منکسر المزاجی اور دوست نواز واقع ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں اپنے ہم عصر شعراء کہتر و بہتر کی تخصیص کے بغیر جگہ بہ جگہ جلوہ گر نظر آئے ہیں.....'

دلاور فگار کو زبان پر دسترس ہے اور فطری شاعر ہیں ذرا سی بات میں کئی باتیں کہہ جانے کا ہنر جانتے ہیں وہ اپنی شاعری میں زندگی کے مضحک پہلو کو اجاگر کرتے ہیں۔ لیکن اس میں کسی بغض یا عناد کو دخل نہیں بلکہ اس میں نیک نیتی اور بالغ نظری ہوتی ہے، ان کے طنز میں تہہ داری ملتی ہے جو پردہ بھی ہے اور پروردہ بھی ہے۔

دلاور فگار 1988ء میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

آج کا اسٹوڈنٹ

میں اسٹوڈنٹ ہوں سارے جہاں سے میرا ناتا ہے
 مری تقدیر کا کھاتا، عجب اندھیر کھاتا ہے
 غزل باپ ہے میرا، جہالت میری ماتا ہے
 زمانہ میری بربادی پہ کیوں، آنسو بہاتا ہے
 میں اپنے وقت کا سب سے بڑا فرہاد مجنوں ہوں
 مجھے دیکھو کہ میں کیا ہوں یہ مت سوچو کہ میں کیوں ہوں
 مری صورت ہے نورانی، مرا حلیہ ہے جاپانی
 مری بدھی ہے یونانی، مری فطرت ہے رومانی
 مری قسمت میں لکھی ہے درجائوں کی درباری
 میں پروانہ سنیا کا ثریا میری پروانی
 سرے بازار بھی میں دل کا گولہ پھینک سکتا ہوں
 جمال یار کی گرمی سے آنکھیں سینک سکتا ہوں
 میں ہر ذلت کو اپنے حق میں اک آزر سمجھتا ہوں
 میں ہر گھوڑے کو ٹٹو، ہر ہرن کو خر سمجھتا ہوں
 میں اپنے ایگریکلچر ہی کو کلچر سمجھتا ہوں
 میں ہر بکھٹی کو شہناز و پری پیکر سمجھتا ہوں
 میں سن سرسٹھ کے ہر پکچر کی ہیروئین پہ مرتا ہوں
 محبت میرا پیشہ ہے، یہ بزنس میں بھی کرتا ہوں

مری ٹانج نہ پوچھو میرا ہر مضمون ہی انڈا ہے
 مرا سوزدروں، جذب دروں مدت سے ٹھنڈا ہے
 مرے ہاتھوں میں اب تو جنگ آزادی کا جھنڈا ہے
 سیاست میری لگی ہے، الیکشن میرا ڈنڈا ہے
 میں اب عینا ہوں گا، قوم کو رستہ دکھاؤں گا
 بہت کچھ بن چکا آؤ، اب اوروں کو بناؤں گا

میں یو این او کو امریکہ کا اک صوبہ سمجھتا ہوں
 الزبتھ کو سرسید کی محبوبہ سمجھتا ہوں
 اگر لکھا ہو فطوبہ تو مطلوبہ سمجھتا ہوں
 نہ میں ہندی سمجھتا ہوں نہ منصوبہ سمجھتا ہوں
 لکھا ہے ض سے زیتون و زنجیر و ذکی میں نے
 کیا ہے ترجمہ خوش قسمتی کا گدگلی میں نے

ہیشہ امتحاں میں لیل ہونا میری عادت ہے
 مری کوشش سے قائم لیل ہونے کی روایت ہے
 اگر ہیں پاس ہو جاؤں تو کالج سے بغاوت ہے
 میں جس کالج میں پڑھتا ہوں مجھے اس سے محبت ہے
 کوئی بھی امتحاں ہو لیل ہونا میری ہابی ہے
 مری ناکامیابی درحقیقت کامیابی ہے

میں جب چھوٹا تھا ہر ہر ماسٹر سے مار کھاتا تھا
 دبا کر اپنی دم کالج سے اکثر بھاگ جاتا تھا
 مجھے پڑھنا نہ آئے گا، نہ آتا ہے، نہ آتا تھا

میں اکثر اپنے درجہ ہی میں فلمی گیت گاتا تھا
 اسی درجہ میں اب بھی تازہ فلمی گیت گاتا ہوں
 بریلی کے بڑے بازار میں جھکا گراتا ہوں
 بڑی مشکل سے آپایا ہوں میں دسویں سے انٹر تک
 نہیں تھا امتحان میں یاد مجھ کو رول نمبر تک
 لکھوں تو کیا لکھوں آتی نہیں مجھ کو گرامر تک
 یہ عالم ہے کہ پڑھ سکتا نہیں انگلیش پیپر تک
 سوال لازمی کا آنسر فی الفور کیا لکھوں
 بجز اس کے کہ گھر پر خیریت ہے اور کیا لکھوں
 مرا دل تنگ ہے کیمسٹری کے فارمولوں سے
 طبیعت بھر گئی ہے، ارضہمیک کے اصولوں سے
 کہاں تک دل کو بہلاؤں میں ان کاغذ کے پھولوں سے
 یہ عالم لوگ بھی کچھ کم نہیں سوکھے بولوں سے
 انہی کے جال میں بے سوچے سمجھے پھنس گیا ہوں میں
 مجھے باہر نکالو، اک کنوئیں میں دھنس گیا ہوں میں

لفظ و معنی

اسٹوڈنٹ	- طالب علم
فطرت	- عادت
ہڈی	- عقل
جمال	- حسن، خوب صورتی
ذلت	- بے عزتی، رسوائی

تاج	-	معلومات
کچر	-	تہذیب
انگریز کچر	-	زراعت، بیج لگانا
نورانی	-	روشن، چمکتا ہوا
آز	-	عزت
درجائیں	-	محبوب کا دروازہ
جال	-	پھندا
حلیہ	-	شکل و شباہت، شکل و صورت

آپ نے پڑھا

□ اس نظم میں دلاور فگار نے اپنے مخصوص مزاحیہ انداز میں آج کے اسٹوڈنٹ کا حلیہ بیان کیا ہے۔ جسے نہ تو ماں باپ کی عزت کی فکر ہوتی ہے نہ اپنے مستقبل کی۔ یہاں تک کہ وہ امتحان میں فیل ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں اور اپنے اساتذہ کا عزت و احترام کیا جائیں بس فلمی ہیروئینوں پر مرنا اور ادھر ادھر مارے پھرنا ان کی ہابی ہے۔ کسی سنجیکٹ کو پڑھنے میں ان کا دل نہیں لگتا۔ کالج جانا ان کے لیے ایک تفریح ہے۔

آپ بتائیے

1. دلاور فگار کہاں پیدا ہوئے؟

(الف) لکھنؤ (ب) الہ آباد (ج) عظیم آباد (د) بدایوں

2. دلاور فگار نے کس سن میں میٹرک پاس کیا؟

(الف) 1940ء (ب) 1942ء (ج) 1948ء (د) 1956ء

3. دلاور فگار کے والد کا نام کیا تھا؟

(الف) شاکر حسین (ب) ذاکر حسین (ج) غالب حسین (د) ناصر حسین

4. آج کا اسٹوڈنٹ یو این او کو بقول شاعر کیا سمجھتا ہے؟

(الف) امریکہ کا ایک صوبہ (ب) افریقہ کا ایک صوبہ (ج) انگلینڈ کا ایک صوبہ (د) چین کا ایک صوبہ

5. لفظوں کو صحیح معنی سے ملائیے۔

زلت	حساب
خصلت	روشنی
نور	نظرت
ناج	رسوائی
آرٹھمیک	معلومات

خوشنظر گفتگو

1. دلاور نگار کے دو مجموعوں کا نام لکھیے۔
2. دلاور نگار کا شعری مجموعہ 'حادثے' کب شائع ہوا؟
3. دلاور نگار کا انتقال کس سنہ میں ہوا؟
4. اس مصرعے کو پورا کیجیے۔
الڑا تہ کو سر سید کی..... سمجھتا ہوں
5. جمع بنائیے۔

وظیفہ، جوہر، عمل، تحفہ، قدم، عادت

تذصیل گفتگو

1. نظم کا مرکزی خیال بتائیے۔
2. دلاور نگار کے بارے میں دس جملے لکھیے۔
3. آج کا اسٹوڈنٹ کالج جانا کیا سمجھتے ہیں؟
4. درج ذیل الفاظ کی ضد بتائیے۔
دوستی، سچ، خیر، لیل، مشکل، نیکی، سکون

آئیے، کچھ کریں

1. اپنے استاد سے کچھ اور مزاح نگاروں کا نام پوچھ کر لکھیے۔
2. دلاور نگار سے متعلق کتابوں کو لاہوری سے لکھا کر پڑھیے۔

سبرائیم بھارتی

سبرائیم بھارتی 11 دسمبر 1882 ایٹار پورم تروناولی ضلع تامل ناڈو میں پیدا ہوئے۔ ایٹار پورم ایک چھوٹی سی زمینداری تھی، جہاں کے زمیندار مہاراجہ کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ بھارتی کے والد چناسوامی ایڑ زمینداری میں ایک چھوٹے پس ماندہ عہدے دار تھے۔ سبرائیم بھارتی ان کی پہلی اولاد تھے جو کہ ماں کے پیار سے بچپن ہی میں محروم ہو گئے تھے۔ ان کو پڑھائی لکھائی سے دلچسپی نہ تھی وہ اپنا زیادہ تر وقت اپنے نانا جن کو تامل زبان وادب سے بڑی گہری دلچسپی تھی، انہی کے ساتھ گزارتے تھے۔ سبرائیم دس سال کی عمر میں شعر کہنے لگے تھے۔

پندرہ سال کی عمر میں سبرائیم بھارتی کی شادی چندال سے کردی گئی۔ اب یہ ایٹار پورم میں ہی رہنے لگے تھے۔ اور اپنی خداداد ذہانت اور اپنی شاعری سے بہت جلد سارے ماحول پر چھا گئے۔ زمیندار نے ان کی شاعری سے متاثر ہو کر انہیں بھارتی کے لقب سے نوازا۔ اب وہ بھارتی کہلانے لگے۔ کم عمری میں ہی والد کا انتقال ہو گیا۔ بھارتی اپنے خالہ خالو کے پاس بنارس چلے گئے جہاں الہ آبادیونی ورثی سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔

بھارتی نے اپنی شاعری کی بنیاد ان سیاسی عوامل پر رکھی جن سے ہندوستان کا بچہ بچہ متاثر تھا روزنامے کے سب ایڈیٹر کی حیثیت سے بھارتی کو ہندوستان کے سیاسی حالات کا بخوبی علم تھا۔ ان کے دو شعری مجموعے ’سودیش گیدنگل‘ 1908ء اور ’جنم بھوی‘ 1909ء میں شائع ہوئے۔ 19 ستمبر 1921ء کو مختصر علالت کے بعد اس انقلابی شاعر سبرائیم کا انتقال ہو گیا۔

نغمہ آزادی

یہ لمحہ رقصِ دسروں کا ہے
آخر مسرت سے بھری آزادی
ہمارے قبضے میں آ ہی گئی
ذاتِ پات پر فخر کرنے کا دور ختم ہو گیا
بدیہی طاقت کا بھرم کھل گیا
بدیہی حکومت کے ہر اشارے پر
رقص کرنے کا دور چلا گیا

جادوگر کی جادوگری کا ظلم ٹوٹ گیا
آزادی بین الاقوامیت کی زبان ہے
اور مساوات تجربہ کاروں کا حسن
آج ہم آزادی کا شکہ پھونکھیں گے
اور حقیقت کا برملا اظہار کریں گے
ہم پر یہ حقیقت کھل گئی ہے
کہ سب کی پیدائش
ایک ہی طرح سے ہوتی ہے
چھوٹ اور دغا سوت کے گھاٹ اتر گئے
وہی لوگ عظیم ہیں جو اچھے ہیں

تخریب بڑے لوگوں پر غالب آگئی ہے
 اہل جوئے والے کسان، کاریگروں کی قدر کرو
 کام چوروں اور کالوں پر لعنت بھیجو
 ہم بجز زمین کو پانی نہیں دیں گے
 اور کالوں کے لیے اپنا خون پسینہ نہیں کریں گے
 ہم جان گئے ہیں کہ یہ زمین ہماری اپنی ہے
 اور ہمیشہ اپنی ہی رہے گی
 کوئی بھی غیر ملکی طاقت
 ہمیں غلام نہیں بنا سکتی
 ہم بھگوان کی دیا سے بہت آگے بڑھیں گے

لفظ و معنی

بدیہی	-	غیر ملکی
رقص	-	ناچ
مساوات	-	برابری
بر ملا	-	کھلم کھلا
دغا	-	دھوکہ
طلسم	-	جادو
مسرت	-	خوشی
بجز زمین	-	وہ زمین جس میں پیداوار نہ ہو
کاہل	-	ست
دیا	-	مہربانی
سرد	-	گانا بجانا

آپ نے پڑھا

□ یہ نظم ہر انیم بھارتی کی تامل زبان کی نظم کا اردو ترجمہ ہے۔ اس نظم کا ترجمہ حسرت سہروردی نے کیا ہے۔ شاعر نے اس نظم میں آزادی کا گیت گایا ہے۔ آزادی کے فوراً بعد اس نظم کی تخلیق ہوئی تھی۔ جس میں حصول آزادی کے تاریخی موقع پر خوشی و مسرت کا اظہار کیا گیا ہے اور مستقبل میں اچھے اور خوش حال ہندوستان کا تصور پیش کیا گیا ہے، نیز ملک سے تمام خرابیوں کو دور کرنے کا عہد بھی کیا گیا ہے۔

آپ بتائیے

1. ہر انیم بھارتی کی پیدائش کب ہوئی؟
2. ہر انیم بھارتی کی بیوی کا کیا نام تھا؟
3. ہر انیم بھارتی کا تعلق ہندوستان کے کس صوبے سے تھا؟
4. ہر انیم کو بھارتی کا لقب کس نے عطا کیا؟
5. زیر نصاب نظم کے اردو مترجم کا نام بتائیے۔

مختصر گفتگو

1. ہر انیم بھارتی کا خاندانی پس منظر مختصراً بیان کیجیے۔
2. تامل زبان کی شاعری پر پانچ جملے لکھیے۔
3. ایک شاعر کی حیثیت سے ہر انیم کی شاعری کا انقلابی پہلو بیان کیجیے۔

تفصیلی گفتگو

1. ہر انیم بھارتی کی شخصیت سے اپنی واقفیت کا اظہار کیجیے۔
2. نظم 'نغمہ آزادی' کا مرکزی خیال پیش کیجیے۔

آئیے، کچھ کریں

1. اپنے استاد کی مدد سے منظوم اردو ترجمہ کرنے والے شعرا کی ایک فہرست تیار کیجیے ساتھ ہی اردو میں وطنی شاعری کا جائزہ لیجیے۔

قصیدہ

قصیدہ اس صنفِ شاعری کو کہتے ہیں جس میں کسی کی مدح یا جہو میں اشعار کہے جاتے ہیں۔ قصیدے میں اشعار کی تعداد مقرر نہیں ہوتی اور پوری نظم غزل ہی کی طرح ہی قافیہ اور ردیف کی پابند ہوتی ہے۔ قصیدہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تمہیدیہ اور دوسری خطابیہ۔ تمہیدیہ وہ قصیدہ ہے جس میں کسی کی تعریف اور توصیف بیان کرنے سے پہلے عشق و محبت اور اسی طرح کے دوسرے مضامین پر مشتمل اشعار لکھے جاتے ہیں۔ اس کے بعد اصل مقصد کی طرف شاعر رجوع ہوتا ہے جبکہ خطابیہ وہ قصیدہ ہے جس میں تمہید نہیں ہوتی بلکہ کسی کی تعریف یا کسی کی تنقیص ابتدا سے شروع کر دی جاتی ہے۔

قصیدہ کے پانچ ارکان ہیں:

- ۱۔ تشبیہ، ۲۔ گریز، ۳۔ مدح یا جہو (عرض حال)، ۴۔ حسن طلب، ۵۔ دعائیہ کلام
- قصیدہ میں الفاظ کی شان و شوکت، تشبیہ و استعارہ، صنائع و بدائع اور مبالغہ کا استعمال بہت ہوتا ہے۔
- اردو قصیدہ نگاروں میں سودا، ذوق، غالب اور فراق کا کوری قابل ذکر ہیں۔

شیخ محمد ابراہیم ذوق

ذوق کا اصل نام شیخ محمد ابراہیم تھا اور ذوق تخلص رکھتے تھے آپ کی پیدائش

23 اگست 1790ء مطابق 11 ذی الحجہ 1204ھ سوموار کے دن دلی میں ہوئی۔ ذوق

دلی میں کابلی دروازہ کے پاس رہتے تھے آپ نے ابتدائی تعلیم حافظ غلام رسول کے مکتب

میں حاصل کی۔ انہی کی صحبت میں شاعری کا شوق پیدا ہوا جب سن شعور کو پہنچے تو غزلیں

کہنے لگے اور شاہ نصیر کی شاگردی اختیار کی اور ان سے غزلوں میں اصلاح لینے لگے لیکن

کچھ دنوں کے بعد اصلاح کی ضرورت باقی نہ رہی۔ اور مشاعروں میں بے تکلف غزلیں

پڑھنے لگے۔ یہاں تک کہ 15-16 سال کی عمر میں ایک دیوان تیار ہو گیا۔ 20 سال کی عمر میں کلام پر وہ قدرت حاصل

ہوئی کہ لوگ انہیں استاد تسلیم کرنے لگے۔

رفتہ رفتہ مغلیہ دربار میں ذوق کی بھی رسائی ہو گئی اور وہ آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے استاد مقرر ہوئے۔ بہادر

شاہ ظفر بھی شاعری کرتے تھے اور استاد ذوق سے شاعری میں اصلاح لیتے تھے۔

شیخ ابراہیم ذوق کو بہت سے علوم سے واقفیت تھی۔ شاعری کے علاوہ علم تفسیر اور تصوف میں کامل عبور رکھتے تھے۔

نوجوانی میں موسیقی کا بھی شوق رکھتے تھے۔ علم نجوم درمل سے بھی خاطر خواہ واقفیت تھی۔ علم طب میں بھی مہارت رکھتے تھے

لیکن اس علم کو کبھی پیشے کے طور پر استعمال نہیں کیا۔ مغلیہ دربار سے ذوق کو خاقانی ہند کا خطاب ملا۔

مختصری حالات کے بعد 16 نومبر 1854ء مطابق 24 صفر 1271ھ جمعرات کے دن صبح آپ کا انتقال ہو گیا۔

وفات کے وقت آپ کی عمر 64 سال تھی۔ موت سے تین گھنٹے قبل ذوق نے یہ شعر کیا۔

کہتے ہیں آج ذوق جہاں سے گزر گیا

کیا خوب آدی تھا خدا مغفرت کرے



طالع سدا مساعد و عالم سدا مطیع
 نہ آسمان سے رتبہ ترا یوں بلند تر
 خطبہ کے واسطے ترے نام بلند کے
 وہ بحر بیکراں ہے تری ہمت وسیع
 دریائے قہر تیرا جو طوفاں کرے بپا
 قد پر ترے وہ راست قبائے علوئے جاہ
 تیری گہر فشلی دست کرم سے ہے
 چمکائے تنق تیز کو اقبال کر تیرا
 یوں دل میں تیرے جلوۂ ذات محیط حق
 سرعت میں ترا رخس ملک سیر کیا شہاب
 شاہا عجب نہیں ترے شہدیز کے لیے
 انجم میں کیا شرر ترے نالے سمند کے
 مانا اگر بلندی شان و شکوہ میں
 پر اس کے نقش پا کے مقابل بناسکے
 یہ ذوق کی دعا ہے کہ جب تک زمانہ میں
 بزم نشاط و عیش رہے تیرے گھر میں روز
 مارے جگر میں حاسد بدخواہ کے ترے
 تار خطوط مہر سے سو نشتر آسمان

طاق	- قسمت
مساعِد	- مددگار، ہمدرد
مطیع	- فرمانبردار
کوکب	- ستارہ
یاد	- مددگار
کوسنار	- پہاڑ
مشتری	- ایک تارے کا نام
خطیب	- خطبہ دینے والا
بحر پیکراں	- بے انتہا سمندر
قبا	- لباس
زچندہ	- خوبصورت لگنے والا
تغ	- تگوار
ہلال	- پہلی تاریخ کا چاند
محیط	- احاطہ کیے ہوئے
سرعت	- تیزی
رخش	- رستم کے گھوڑے کا نام ہے
رفعت	- بلندی
جبل پیکر	- پہاڑ جیسا جسم
سدا	- ہمیشہ
ہمسر	- برابر
بزم	- محفل
پردخواہ	- بُرا چاہنے والا

آپ نے پڑھا

□ زیرِ نصاب قصیدہ شیخ ابراہیم ذوق کی تخلیق ہے۔

□ ابراہیم ذوق مغلیہ بادشاہ بہادر شاہ ظفر کا درباری شاعر تھا۔ ساتھ ہی بہادر شاہ ظفر کا استاد بھی تھا۔

□ پیش نظر قصیدہ بہادر شاہ ظفر کی شان میں لکھا گیا ہے۔

□ اس قصیدہ میں شاعر نے اپنے مدوح کی تعریف کرتے ہوئے اس کے شاندار مستقبل کی تمنا کا اظہار کیا ہے۔

□ ذوق کے اس قصیدہ کا شمار اردو کے بہترین قصیدوں میں ہوتا ہے۔ اس قصیدے میں شاعر نے نہ صرف یہ کہ اپنے

مدوح بہادر شاہ ظفر کی اقبال مندی کی دعائیں کی ہیں بلکہ مدوح کے دشمنوں اور بدخواہوں کی بدمت بھی کی ہے۔

آپ بتائیے

1. ذوق کا پورا نام کیا ہے؟

2. ذوق کی پیدائش کب ہوئی؟

3. ذوق کس بادشاہ کے استاد تھے؟

4. کس شاعر سے ذوق نے اصلاح لی؟

مختصر گفتگو

1. ذوق کے حالات مختصر بیان کیجیے۔

2. فنِ قصیدہ کے اجزائے ترکیبی بیان کیجیے۔

3. ذوق کی قصیدہ نگاری پر پانچ جملے لکھیے۔

تفصیلی گفتگو

1. قصیدہ کے آغاز و ارتقا پر ایک مضمون لکھیے۔

2. ذوق کی قصیدہ گوئی کا جائزہ لیجیے۔

3. زیرِ نصاب قصیدہ کا مضمون بیان کیجیے۔

آئیے، کچھ کریں

1. اپنے استاد کی مدد سے اردو کے قصیدہ نگار شعراء کی ایک فہرست تیار کیجیے۔

مرثیہ

مرثیہ عربی لفظ رثا سے مشتق ہے اور اس کے معنی ہیں کسی کی موت پر رونا۔ مرثیہ اصناف شاعری میں اس صنف کو کہتے ہیں جس میں کسی مرنے والے کی تعریف کی گئی ہو اور اس کی موت پر اظہار غم کیا گیا ہو۔ جب اس لفظ کا استعمال ہوا تو اس وقت صرف شخصی مرثیے موجود تھے۔ سانحہ کربلا سے متعلق جو بھی مرثیے لکھے گئے بعد کو لکھے گئے۔ اور اردو میں اس کا رواج اتنا عام ہوا کہ مرثیہ کا ذکر آئے تو ذہن شخصی مرثیے کی طرف نہیں بلکہ کربلائی مرثیے کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اس طرح مرثیہ کی دو قسمیں قرار دی جاتی ہیں: (۱) شخصی مرثیہ (۲) مرثیہ

اردو مرثیے کے اجزائے ترکیبی درج ذیل ہیں:

چہرہ، سراپا، رخصت، آمد، رجز، رزم، شہادت، بین

مرثیہ ہماری شاعری کی وہ صنف ہے کہ اس پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔ اس نے اردو شاعری کے دامن کو وسیع کیا ہے۔ اردو کے مشہور ترین مرثیہ نگار میر انیس اور مرزا دبیر ہیں۔

مرزا سلامت علی دبیر



مرزا دبیر کا اصل نام مرزا سلامت علی اور دبیر خفص تھا۔ والد کا نام مرزا غلام حسین تھا۔ دبیر کی پیدائش 1903ء میں دہلی کے محلہ بلی ماران میں ہوئی۔ سات سال کی عمر میں دبیر اپنے والدین کے ساتھ لکھنؤ چلے آئے۔ دبیر کی تعلیم کی ابتدا دلی میں ہو چکی تھی اور شاعری سے بھی دلچسپی ہونے لگی تھی دسی کتابوں سے فارغ ہو کر لکھنؤ کے شاعرانہ ماحول سے متاثر ہوئے اور شعر موزوں کرنے لگے اور میر ضمیر سے اپنے کلام میں اصلاح لینے لگے۔ دبیر کے لیے استاد میر ضمیر، روشن ضمیر ثابت ہوئے اور مرثیہ نگاری میں مرزا دبیر نے استاد کی کا مقام حاصل کر لیا۔ نو عمر شاعر پسند عام اور مقبولیت کے ذریعہ بہت جلد شہرت حاصل کر لیتا ہے۔ چندہ بیس سال کی عمر میں ہی مرزا دبیر شاعری کے منبر پر آنے لگے۔ اور پیش خوانی و مرثیہ خوانی میں اپنا بہترین کلام سناتے لگے۔ طبیعت میں روانی و برجستگی تھی عمر کے ساتھ ساتھ مشق میں اضافہ ہوتا گیا۔ مشق کو محنت نے جلا دی اور میر انیس کے مقابلے میں کلام پڑھنے لگے۔ چنانچہ اردو شاعری خصوصاً مرثیہ نگاری کی تاریخ میں انیس و دبیر کی شاعرانہ چشمک بہت مشہور ہے۔

اردو مرثیہ نگاری میں دبیر کی شہرت اور استاد کی کا یہ عالم تھا کہ اس کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے برصغیر کے دور دراز شہروں، قریبوں اور دیہاتوں میں دبیر کا سکھ چٹا تھا۔ مشہور تھا کہ بین اور مرثیت میں دبیر کا جواب نہیں۔ سوز خواں انھیں کے مرثیے پڑھتے تھے عورتیں انھیں کا کلام پسند کرتی تھیں۔

مرثیہ نگاری کی حیثیت سے مشہور ہونے کی وجہ شہرت اور علاج کی غرض سے دبیر نے کئی طویل سفر بھی کیے اور کلکتہ بھی گئے۔ سفر کلکتہ کے دوران عظیم آباد بھی تشریف لائے۔ دبیر کا یہ سفر عظیم آباد کی ادبی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے۔

آخر کار 6 مارچ 1875ء کو اردو مرثیہ کا یہ برگزیدہ شاعر لکھنؤ میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملا۔ آپ جہاں مدفون ہوئے وہ آج کوچہ دبیر کہلاتا ہے۔

بیان شہادت حضرت خُ

ہر سنگ بنا لعل و گہر مہر علی سے پارس نمط آہن ہوا زر مہر علی سے
روشن ہوئے خورشید و قمر مہر علی سے ہے گردش اختر میں اثر مہر علی سے

گل خاک سے اور لعل ہوئے سنگ سے پیدا

اس مہر کا ہے فیض ہر اک رنگ سے پیدا

ہر سنگ کو یاقوت کیا مہر علی نے قطرے کو شرف دُر کا دیا مہر علی نے
بخشی مہ و انجم کو ضیا مہر علی نے خورشید کو بیعت میں لیا مہر علی نے

قطرے سے گہر، خار سے گل ہوتے ہیں پیدا

صدقے سے علی کے جزو کل ہوتے ہیں پیدا

لو مومنو، حر لشکر کفار سے نکلا یہ نور وہی نور ہے جو نار سے نکلا
یاقوت چمکتا ہوا کہسار سے نکلا دیں کفر سے، چاند ابر سے، گل خار سے نکلا

یہ شاہ ولایت کی ہدایت کا اثر ہے

خُ رات کو گمراہ تھا اس وقت حاضر ہے

کیا آمد جبریل ہے مرغوب نبی کو اب تک نہیں یہ آرزوئے عید کسی کو
کیا آمد سماں ہے پسندیدہ علی کو تفریح عجب ہوتی تھی احمد کے وصی کو

دیکھو تو ہراول کے خط لوح جبیں کو

اب ہے یہ خوشی آمد خُ کی شہ دیں کو

آواز مبارک کا ہے غل فوج خدا میں آمد ہے ہراول کی سپاہ شہداء میں
تقریب ملاقات ہے سلطان و گدا میں مصروف ہے خُ شکر یہ رب حدی میں

حق پشت پہ، بخت اوج پہ، اقبال کمک پر

سرشاہ کی تسلیم میں اور پاؤں فلک پر

جنت میں جہنم سے خدا لاتا ہے خر کو جلوہ حق و باطل کا نظر آتا ہے خر کو
تخمین خدا عرش پہ فرماتا ہے خر کو رضواں بھی چن خلد کا دکھلاتا ہے خر کو
خر نام ہے کیوں شہ کے غلاموں میں تو خر ہے

داخل ہے غلاموں میں جہنم سے یہ خر ہے
جبریل صفت وحی خدا کو نہیں لایا پر خر بھی ہے اللہ کا بھیجا ہوا آیا
گروچی نہیں پائی تو الہام ہے پایا واں سدرہ کا سایہ، یہاں زہرہ کا ہے سایہ
جبریل ایں یہ نہیں پر سدرہ نشیں ہے
رضواں نہیں پر مالک فردوس بریں ہے

سلمان کا اور خر کا شرف ایک ہے پر یاں پہلے تھا غلام ایک یہودی کا وہ ڈی شاق
پر، دے کے یہودی کو زروقیت سلمان سلمان کو پیہر نے لیا اور دیا ایماں
اللہ رے شرف خر سعید ازلی کا
یہ بندہ بے زر ہے حسین ابن علی کا

ہیں دست کشادہ پئے خر سید آفاق یعقوب ہم آغوشی یوسف کا ہے مشتاق
خورشید کو زرے کی جدائی ہوئی ہے شاق واں کوشش طاعت ہے یہاں جوشش اخلاق
دریا کی طرف چاہ تو قطرے کی عیاں ہے
یاں بحر امامت بھی سوئے قطرہ رواں ہے

لفظ و معنی

سنگ	- پتھر
لعل و گہر	- ہیرا اور موتی
شہادت	- خدا کی راہ میں لڑتے ہوئے جان دینا
خر	- آزاد، میدان کربلا میں ایک نیک شخص کا نام ہے۔
آہن	- لوہا
نقطہ	- رنگین فرش یا بچھونا
خورشید	- سورج

چاند	-	چاند
ستارے کی گردش	-	روش اختر
فائدہ	-	فائدہ
عزت	-	عزت
ایک ہیرے کا نام	-	ایک ہیرے کا نام
ایک ہیرے کا نام	-	ایک ہیرے کا نام
چاند اور تارے	-	چاند اور تارے
روشنی	-	روشنی
پھول	-	پھول
کائنات	-	کائنات
نیک بخت	-	نیک بخت
ہمیشہ	-	ہمیشہ
ظاہر	-	ظاہر
امامت کا سہند	-	امامت کا سہند
چلتا ہوا	-	چلتا ہوا
فرمانبرداری	-	فرمانبرداری
صدمہ، ناقابل برداشت	-	صدمہ، ناقابل برداشت
شوقین	-	شوقین
پھیلا ہوا ہاتھ	-	پھیلا ہوا ہاتھ
بغیر روپیہ کا	-	بغیر روپیہ کا
شان والا	-	شان والا
ساتویں آسمان کے اوپر ایک درخت کا نام ہے	-	ساتویں آسمان کے اوپر ایک درخت کا نام ہے
تعریف	-	تعریف
جنت	-	جنت

رضوان - داروغہ جنت کا نام ہے

پشت - پیچھے

جنت - تقدیر

اوج - ترقی

فلک - آسمان

لوح جہیں - پیشانی کی خطی

مرغوب - پسندیدہ

آپ نے پڑھا

□ اردو مرثیہ کے ارتقا میں مرزا سلامت علی دبیر کی خدمات قابل قدر ہیں۔ یہ مرثیہ میدان کربلا سے متعلق ہے۔
مرثیہ میں ایک نیک روح 'محر' کی شخصیت گواہ ہوا گیا ہے۔ مرثیہ نگار مرزا دبیر نے اس حقیقت کو بھی واضح کیا ہے
ایمان نعمت خداوندی ہے اور خدا جس کو جس وقت ہدایت دے دے۔ اس ضمن میں بحر خوش قسمت تھا کہ آیا تھا
کی فوج میں اور عین وقت پر خدا نے اسے ہدایت دی اور میدان کربلا میں حضرت امام حسینؑ کی فوج میں شامل
شہادت کا عظیم درجہ پایا۔

آپ بتائیے

1. دبیر کی پیدائش کب اور کہاں ہوئی؟

2. دبیر کے والد کا کیا نام تھا؟

3. دبیر کس صنف شاعری کے لیے مشہور ہیں؟

4. دبیر کس مشہور شاعر کے ہم عصر رہے ہیں؟

5. دبیر کی وفات کب ہوئی؟

مختصر لکھو

1. فن مرثیہ کا مختصر تعارف پیش کیجیے۔

2. دبیر کے دلی سے لکھنؤ آنے کا مختصر احوال بیان کیجیے۔

3. خُر کے بارے میں پانچ جملے لکھیے۔

4. زیرِ نصاب مرثیہ میں شہ دین سے کیا مراد ہے؟ مختصراً تحریر کیجیے۔

تفصیلی گفتگو

1. ابنِ مرثیہ کی ابتدا اور انتہا پر روشنی ڈالیے۔

2. مرزا سلامت علی دہر کی مرثیہ نگاری پر روشنی ڈالیے۔

3. زیرِ نصاب مرثیہ کا مرکزی خیال پیش کیجیے۔

آئیے، کچھ کریں

1. اپنے استاد سے واقعات کر بلا اور شہادت امام حسینؑ کے بارے میں واقفیت حاصل کریں۔

2. طلبہ کے ساتھ مل کر میدان کر بلا، یزیدی افواج اور خُر کی شخصیت پر ایک مذاکرہ منعقد کیجیے۔

شاد عظیم آبادی

شاد عظیم آبادی کا پورا نام سید علی محمد تھا۔ شاد غلام کرتے تھے۔ خان بہادر خطاب تھا۔ شاد کی پیدائش اپنے نانیہال پٹنہ (عظیم آباد) کے محلہ پورب دروازہ میں جنوری 1846 میں ہوئی۔ والد کا نام سید عباس مرزا تھا جو عظیم آباد کے عالی خاندان اور رؤسا میں شمار ہوتے تھے۔ پانچ سال کی عمر میں شاد کے کتب کی ابتدا ہوئی اس کے بعد اپنے دادیہال محلہ حاجی گنج چلے آئے۔ یہ خاندان بھی عظیم آباد میں معزز و ممتاز سمجھا جاتا تھا۔ نو سال کی عمر میں شاد نے عربی پڑھنا شروع کیا شاد کے اساتذہ میں وزیر علی عبرتی کا نام لیا جاتا ہے۔ سن شعور کو پہنچنے کے بعد شاد اردو شاعری کی طرف متوجہ ہوئے اور اس وقت کے استاد شاعر سید شاہ الفت حسین فریاد سے اصلاح لینے لگے۔ فریاد کی شاگردی پر شاد کو فخر تھا۔

آپ کے علمی کمالات اور اعلیٰ ادبی خدمات کے صلہ میں برٹش گورنمنٹ نے آپ کو 1889 میں 'خان بہادر' کے خطاب سے نوازا۔ 8 جنوری 1927 کو 81 سال کی عمر میں شاد عظیم آبادی کا انتقال ہو گیا۔

شاد کا شمار اردو کے ممتاز ترین شعرا میں ہوتا ہے۔ بحیثیت غزل گو بھی ان کا شمار چند منتخب غزل نگاروں میں ہوتا ہے جب کہ شاد کے مرثی غزلوں کے علاوہ ہیں۔ ان کی شاعرانہ عظمت کو ثابت کرنے کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ کلیم الدین احمد جیسے ناقد نے اردو شاعری کی تثلیث میں میر اور غالب کے ساتھ شاد کو بھی شامل کیا ہے۔ شاد کا شاعرانہ تفکر حیات و کائنات کی تفہیم سے متعلق ہے۔ جس میں تصوف کی تہہ داریاں اور عمومی زندگی کی روشیں شامل ہیں لیکن ان کے برتاؤ میں شاد کے یہاں الفاظ کی نشست و برخاست عمومیت نہیں رکھتی بلکہ وہ ان کے استعمال میں ایک ایسی جدلیاتی قوت کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ وہ سب کے سب معنی آفرینی کی نئی دنیا آباد کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ اگر شہر عظیم آباد کو شاعری کا ایک دبستان تسلیم کر لیا جائے تو اس دبستان کے سب سے بلند قامت شاعر شاد عظیم آبادی ہی ہو سکتے ہیں۔

رخصت حضرت عباس علیکم السلام بردار

بچوں کو لیے سامنے تھی زوجہ عباس تھا گود میں ایک، ایک تھا دامن سے لگا پاس
 سن سن کے یہ تقریر ہوئی جاتی تھی بے آس بچوں کی طرف دیکھتی جاتی تھی بصد یاس
 شوہر کی جو باتوں کی طرف جان لڑی تھی
 آنکھوں سے رواں اشک تھے حیران کھڑی تھی
 رو رو کے پرنے جو بصد درد یہ پوچھا کچھ کہئے تو اللہ کدھر جاتے ہیں بابا
 کیوں روتی ہیں اماں مرا دل ہے تہہ و بالا منہ چوم کے ماں کہتی ہے گھبراؤ نہ بیٹا
 دریا کی طرف مشک کے بھرنے کو چلے ہیں
 صدقے گئی مجبور ہیں مرنے کو چلے ہیں
 گرتے کو کرو چاک، یتیمی کا دن آیا ماں صدقے، اٹھا جاتا ہے اب باپ کا سایہ
 تقدیر نے کس سخت مصیبت میں پھنسایا قسمت نے تمہیں داغ یتیمی کا دکھایا
 ہم لوگ گرفتار بلا ہوتے ہیں واری
 چلا کے نہ رونا، وہ خفا ہوتے ہیں واری
 کانوں میں جو آنے لگی آہستہ یہ آواز بچوں کی طرف بڑھ گئے عباس سرافراز
 اس طرح سے کہنے لگا زوجہ سے وہ جاں باز ہر طرح سے خالق نے کیا ہے تمہیں ممتاز
 رو رو کے شکایت نہ کرو ظلم و جفا کی
 تم بھی تو کینروں ہی میں ہو آلِ عباس کی
 بالفرض سمجھ لو کہ اجل نے ہمیں مارا مرضی یہی اس کی ہے تو کیا اس میں اجارا
 دس سال شب و روز رہا ساتھ تمہارا کیا کیجئے قسمت کو نہیں اب یہ گوارا
 تم ہو کے گرفتار پھنسو قید محن میں
 ہم سوئیں قیامت تلک اس اجڑے ہوئے بن میں

عالم بردار	-	جہنڈا اٹھانے والا
زوجہ	-	بیوی
پاس	-	ماریوی
اشک	-	آنسو
بصدورد	-	سینکڑوں ورد کے ساتھ
مٹک	-	پانی بھرنے کے لیے چڑے کا تھیلا
چاک	-	پھاڑنا
جانباز	-	جان لڑانے والا
خالق	-	پیدا کرنے والا
بالغرض	-	مان لیا کہ
اجل	-	موت
محن	-	محنت کی جمع یعنی مصیبت
بن	-	جنگل

آپ نے پڑھا

□ گزشتہ صفحات میں آپ نے شاد عظیم آبادی کے ایک مرے کے پانچ بند پڑھے۔ ان بندوں میں حضرت عباسؓ کے میدان جنگ میں جاتے ہوئے رخصت ہونے کا منظر پیش کیا گیا ہے۔ حضرت عباسؓ کربلا میں حسینی لشکر کے عالم بردار تھے۔

آپ ہتھیائے

1. شاد عظیم آبادی کا اصل نام کیا تھا؟
2. شاد کے استاد کا کیا نام تھا؟
3. شاد عظیم آبادی کی پیدائش کب اور کہاں ہوئی؟

4. شاد کا انتقال کب ہوا؟

5. شاد کا داد بیہال کہاں تھا؟

نضر گفتگو

1. اس مرثیہ میں کہاں کا منظر پیش کیا گیا ہے؟

2. مرثیے کے اجزائے ترکیبی سے اپنی واقفیت کا اظہار کیجیے۔

3. مرثیے کے پہلے بند کا مفہوم بیان کیجیے۔

نصیبی گفتگو

1. شاد عظیم آبادی کی شاعری پر ایک مضمون تلمبند کریں۔

2. شاد کی مرثیہ نگاری سے اپنی واقفیت کا اظہار کیجیے۔

پئے، کچھ کریں

1. کلاس میں اپنے استاد سے واقعات کر بلا کے بارے میں دریافت کیجیے۔

غزل

غزل اردو شاعری کی سب سے مقبول صنف ہے۔ اردو میں غزل فارسی سے آئی ہے مگر غور کیا جائے تو اندازہ ہوگا صنف غزل کا آغاز سب سے پہلے عربی شاعری میں ہوا۔ عربی میں لکھے ہوئے طویل قصیدوں کے ابتدائی تمہیدی حصوں جن میں زیادہ تر عشق و محبت کی باتیں ہوتی تھیں، 'غزل' کہا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ شاعری کی ایک الگ صنف بن گئی اور فارسی کے شاعروں نے اس میں زیادہ سے زیادہ رنگینیاں بھر دیں۔ یہاں تک کہ اردو میں بھی ابتدا میں اس کا یہی رنگ اور مزہ رہا۔ اور لغت (ڈکشنری) میں اب تک اس کے معنی 'عورتوں سے باتیں کرنا' لکھے ہوئے ہیں۔ حالاں کہ اردو غزل میں مضامین کی کوئی قید نہیں ہے اور حسن و عشق کے ساتھ ساتھ تصوف، اخلاق، فلسفہ، مسائل حیات اور سائنسی حقائق تک کہے جاسکتے ہیں۔ گویا کہ اب اس کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا۔

فنی اعتبار سے دیکھا جائے تو غزل وہ صنف شاعری ہے جس کا ہر شعر معنی کے اعتبار سے الگ مگر قافیہ، ردیف و وزن کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مربوط ہوتا ہے۔ غزل کا پہلا شعر مطلع کہا جاتا ہے۔ اس کے دونوں مصرعے ہم اور ہم ردیف ہوتے ہیں۔ اگر ایک کے بعد دوسرا مطلع بھی لکھا جائے تو وہ حسن مطلع کہلاتا ہے۔ باقی اشعار کے مصرعے دوسرے مصرع میں قافیہ اور ردیف کا استعمال ہوتا ہے۔ بعض غزلوں میں ردیف نہیں ہوتی، انہیں 'غیر مرّوف غزل' کہا جاتا ہے۔ غزل کے آخری شعر کو جس میں شاعر اپنا قلمی نام یا تخلص استعمال کرتا ہے 'مقطع' کہا جاتا ہے۔ غزل میں اشعار کی ترتیب متعین نہیں ہے۔ ویسے عام طور سے پانچ، سات، نو، گیارہ یا پندرہ اشعار کی غزلیں کہی جاتی ہیں۔ غزل کے اشعار میں کبھی خیالات کا تسلسل بھی ملتا ہے یعنی تمام اشعار ایک ہی طرح کے جذبات یا خیالات کو پیش کرتے ہیں۔ اس طرز غزلوں کو 'غزل مسلسل' کہا جاتا ہے۔

اردو میں غزل گوئی کا آغاز امیر خسرو سے مانا جاتا ہے۔ گرچہ ان کی صرف ایک غزل موجود ہے جو فارسی اور عربی زبان کا ملا جلا نمونہ ہے۔ اس کے بعد محمد ثقلی قطب شاہ، ولی، فائز، میر، درد، راسخ، غالب، ذوق، مومن، آتش، شاد، حسرت، جگر، فانی، اقبال، اور فراق سے لے کر کلیم عاجز تک اردو شاعروں کی ایک بڑی تعداد نے اپنے اپنے انداز میں غزلیں کہیں۔ گزشتہ چالیس پچاس برسوں کے دوران ہندی میں بھی غزل کہنے کا سلسلہ شروع ہوا ہے اور وہاں کچھ اچھے غزل سامنے آئے ہیں۔

فائز دہلوی

فائز کو مشہور غزل گو شاعر ولی کا ہم عصر مانا جاتا ہے۔ جس زمانے میں ولی نے جنوبی ہند میں اردو غزل کی شمع جلائی تھی، فائز نے شمالی ہند میں اردو شاعری کا چراغ روشن کیا تھا۔ وہ اپنے انفرادی انداز کے سبب ممتاز ہوئے۔

فائز کے خاندانی حالات ایک عرصے تک معلوم نہیں ہو سکے تھے۔ گذشتہ صدی میں پروفیسر سید مسعود حسن رضوی اور دوسرے لوگوں کی تحقیق سے جو باتیں سامنے آئی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کا نام صدر الدین محمد خاں تھا اور فائز تخلص۔ ان کے والد نواب زبردست خاں شاہی منصب دار تھے جو پہلے نانچم اودھ رہے اور پھر پنجاب اور اجمیر کے صوبہ دار بنے۔ خاندان کے دوسرے افراد بھی اعلیٰ عہدوں پر تھے مگر اورنگ زیب کے بعد مغلیہ سلطنت کی جو حالت ہوئی اس سے فائز کا خاندان بھی متاثر ہوا۔ جاگیریں تو زیادہ تر ختم ہو گئیں، کچھ دولت ضرور باقی رہی جس سے انہیں ایک خوش حال اور بادشاہ زندگی گزارنے میں مدد ملی۔

فائز کا انتقال 1738ء میں دہلی میں ہوا۔ ان کی صحیح تاریخ پیدائش اب تک طے نہیں ہو سکی ہے مگر مختلف شہادتوں کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ وہ 1679ء کے آس پاس پیدا ہوئے تھے۔ یہ ضرور معلوم ہے کہ وہ ایک ذی علم شخص تھے۔ اور انہیں ادب کے علاوہ دینیات، فلسفہ، طب، ریاضی، منطق وغیرہ سے بھی دلچسپی تھی۔ انہوں نے تقریباً بیس تصنیفات اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔

فائز کا دیوان 1714ء کے قریب مرتب ہوا تھا جس میں زیادہ تر نظمیں ہیں۔ کچھ غزلیں بھی ہیں جن میں سے کل 33 غزلیں ایسی ہیں جو ولی کی طرحوں میں لکھی گئی ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ولی سے متاثر تھے۔ ویسے فائز کی غزلوں یا نظموں میں ان کے علم و فضل کے اثرات بہت کم دکھائی دیتے ہیں۔ یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح کی زندگی انہوں نے بسر کی اس کا اثر ان کی شاعری پر نمایاں ہے۔ ان کی غزلیں زیادہ تر غزل مسلسل کے زمرے میں رکھی جاسکتی ہیں۔ ان میں زیادہ گہرائی یا فکر و فلسفہ نہیں ہے بلکہ عشقیہ جذبات کا سیدھا سادا بیان ہے۔ اس عہد کے شاعروں میں ایہام گوئی کا بھی چلن تھا مگر فائز اس سے دور ہے۔

فاتر دہلوی

(۱)

جان! لایم دلبری ہے یاد سیر گلزار مئے خوری ہے یاد
دیکھتا نہیں سورج کو نظراں بھر کس کوں تجھ جامہ زری ہے یاد
وہ تماشا دیکھیل ہوئی کا سب کے تن رخت کھسری ہے یاد
وہ چراغاں و چاندنی کی رات سیرت پھول و پھلجھڑی ہے یاد
جب تمہیں پاس فاتر آیا تھا
بات کہنا بی سرسری ہے یاد

(۲)

اے خوب رو فرشتہ صفت اچھن میں آ سرو روان حسن ہمارے چمن میں آ
مونہہ باندھ کر کلی سا نہ رہ میرے پاس تو خنداں ہو کر کے گل کی صفت نک سخن میں آ
عشاق جاں بکف ہیں کھڑے تیرے آس پاس اے دل رہائے غارت جاں اپنے فن میں آ
دوری نہ کر کنار سوں میری تو اے ہا کب لگ رہے گا دور تک اپنے وطن میں آ
تیرے ملاپ بن نہیں فاتر کے دل کو چین
چیوں روح ہو بسا ہے تو اس کے بدن میں آ

دن، زمانہ (یوم کی جمع)	-	نک	- ذرا
باغ، چمن	-	کب لگ	- کب تک کے لیے استعمال ہوا ہے۔ بہار اور یونی کے بعض دیہاتوں میں آج بھی لفظ 'لگ' رائج ہے۔
شراب پینا، مئے خواری کی جگہ استعمال ہوا ہے۔	-	روح ہو ہے	- 'کر' بچ سے غائب ہے۔ کہنے کا مقصد یہ کہ جس طرح روح ہو کر بے ہوا سی طرح جسم میں بھی آ جاؤ۔
نہیں کے لیے استعمال ہوا ہے	-	ہا	- ایک چڑیا جس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ جس کے سر سے گذر جاتی ہے، وہ بادشاہ ہو جاتا ہے۔
لباس، پوشاک، سامان	-	اپنے فن میں آ	- اپنا کام کر۔ اپنا ہنر دکھا
زعفرانی، زرد	-	خون میں آ	- ہاتھیں کرنے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ یعنی تو خاموش نہ رہ بلکہ باتیں کر۔
سنہری، سونے کا تار	-	آپ نے پڑھا	
کپڑا، پوشاک	-		
بھی کے لیے استعمال ہوا ہے، جیسے 'میں'، 'یا'، 'نیں'، 'ہ' کو ہٹا کر نہیں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔	-		
خوب صورت، حسین، اچھی شکل والا	-		
ہنستا ہوا، ٹھگفتہ، کھٹلا ہوا	-		
دکنی شعرا کی طرح فائز بھی کبھی پیش کی حرکت ظاہر کے لیے 'و' استعمال کرتے ہیں۔ جیسے 'بہت' کی جگہ 'بہوت'، یہاں 'منہ' سے 'مونہ' ہو گیا ہے۔	-		

□ آپ نے فائز دہلوی کی دو غزلیں پڑھیں۔ ان غزلوں میں ایک خاص زمانے کا انداز بیان موجود ہے جب اردو زبان ترقی کی منزلیں طے کر رہی تھی۔ اس لیے بعض الفاظ اس طرح نہیں لکھے ہوئے ہیں جیسے اب لکھے جاتے ہیں۔

□ ان دونوں غزلوں میں فائز کے جذبات کا سیدھے سادے انداز میں بیان ہوا ہے۔ فکر و فلسفہ کی کوئی گہرائی نہیں۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جو کچھ شاعر یہ گزری ہے اس کو شاعر پیش کر رہا ہے۔ کسی گزرے ہوئے زمانے کی یاد ہے جس کو شاعر تازہ کرنا چاہتا ہے اور پھر یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کا محبوب دوبارہ اس کے ساتھ رہے۔ دونوں ہی غزلوں کو غور سے پڑھیے تو خوب صورت تصویریں نظر کے سامنے ابھرتی ہیں۔

- پہلی غزل میں گزری ہوئی یادوں کا ایک سلسلہ ہے۔ شاعر کو پرانے دن یاد آنے ہیں جب وہ اپنے محبوب کے ساتھ تھا۔ وہ بارغ کی سیر کرتے تھے اور خوشی کے ساتھ کھاتے پیتے تھے۔ یہ ایسا زمانہ تھا جب شاید ہولی کا تہوار تھا اور رنگوں کے سبب سبھوں کے لباس زرد یا زعفرانی رنگ کے ہو گئے تھے۔ شاعر ان چاندنی راتوں کو بھی یاد کرتا ہے جو اس نے محبوب کے ساتھ گزاری تھیں اور پھر وہ کھیل تماشے، وہ پھلجواں اور سیر سپاٹا۔ شاعر اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اس کے محبوب کا سنہرے لباس اور اس کی بچ دیج ایسی تھی کہ جو اسے ایک بار دیکھ لے وہ کبھی سورج کے حسن سے بھی متاثر نہ ہو۔
- دوسری غزل میں بھی عشقیہ جذبات کا بیان ہے مگر ایسا لگتا ہے کہ وصال کا منظر اب جدائی کے منظر میں بدل گیا ہے۔ اب شاعر کا محبوب دور ہے اور وہ اس کے پاس آنے کی تمنا کر رہا ہے۔ چونکہ بغیر اس کے زندگی ایسی ہی ہے جیسے روح کے بغیر انسانی جسم ہوتا ہے، بے جان اور مردہ۔ یہاں بے قراری کا اظہار ہے مگر محبوب کی تعریف بھی ساتھ ساتھ ہے۔
- ان دونوں غزلوں کے مطالعے سے آپ کو یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ غزل کا جو روایتی رنگ رہا ہے یعنی حسن و عشق سے تعلق رکھنے والی باتوں کا اظہار، وہ یہاں موجود ہے۔

آپ بتائیے

1. شاعر نے ان غزلوں میں کس کو مخاطب کیا ہے اور کس سے باتیں کی ہیں؟
2. شاعر کو گزرے ہوئے زمانے کی کون سی باتیں یاد آ رہی ہیں؟
3. خوب رو، فرشتہ صفت، دل رہا، غارت جاں وغیرہ کس کو کہا گیا ہے؟
4. شاعر نے اپنے محبوب کو کن کن ناموں اور خطابوں سے یاد کیا ہے؟
5. کیا ہے؟ اور لوگ عام طور پر اس کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہیں؟
6. پہلی اور دوسری غزل میں آپ کے خیال سے کیا فرق ہے؟

مختصر گفتگو

1. فائز کہاں کے رہنے والے تھے؟

(الف) لکھنؤ (ب) دہلی (ج) پٹنہ (د) دکن

2. فائز کا انتقال کب ہوا؟

(الف) 1730ء (ب) 1738ء (ج) 1837ء (د) 1783ء

3. فائز کے بارے میں کس نے تحقیق کی؟

(الف) سید مسعود حسین خاں (ب) سید مسعود حسن رضوی

(ج) سید احتشام حسین (د) دہاب اشرفی

1. فائز کس صدی عیسوی کے شاعر تھے؟

(الف) سولہویں (ب) سترہویں (ج) اٹھارہویں (د) انیسویں

1. شاعر کے مطابق ہولی میں سب کے لباس کس رنگ کے ہو جاتے ہیں؟

(الف) کالے (ب) کیسری (ج) سفید (د) لال

تفصیلی گفتگو

1. فائز کی غزل گوئی کے بارے میں ایک مختصر مضمون لکھیے۔

2. فائز کی غزلوں میں کس طرح کے جذبات کا بیان ہوا ہے؟ سمجھا کر لکھیے۔

3. فائز کے حالات زندگی پر مختصر روشنی ڈالے۔

4. وہ تماشا و کھیل ہولی کا سب کے تن رشت کیسری ہے یاد

درج بالا شعر کی اپنے الفاظ میں تشریح کیجیے۔

آئیے، کچھ کریں

1. اپنے استاد کی مدد سے معلوم کریں کہ فائز جس زمانے کے شاعر ہیں وہ زمانہ کیسا تھا؟

2. اپنے اسکول یا علاقے کی کسی لائبریری میں جا کر فائز کا مجموعہ کلام تلاش کیجیے اور اس کی کوئی اور غزل اپنی ڈائری یا

کاپی میں نقل کیجیے۔

3. اپنے استاد سے فائز کی زبان اور غزل گوئی کے بارے میں کچھ اور باتیں دریافت کیجیے۔

خواجہ میر نام اور دردِ خلص ہے۔ دہلی میں 1721 میں پیدا ہوئے اور 1785 میں انتقال ہوا۔ ان کے آہا و اجداد اور نگِ زیب کے عہد میں بخارا سے دہلی آئے تھے۔ درد کو تصوف اور علم و ادب کا شوق وراثت میں ملا۔ ان کے بزرگوں کا تعلق تصوف کے نقشبندیہ سلسلے سے تھا۔ والد خواجہ محمد ناصر فارسی کے اچھے شاعر تھے اور عندلیبِ خلص کرتے تھے۔ درد نے بھی شعر گوئی کا آغاز فارسی زبان میں کیا اور بعد میں اردو کی طرف توجہ کی۔ درد نے شاعری کے علاوہ نثر نگاری کی طرف بھی توجہ کی اور ابتدائے عمر سے ہی تصنیف و تالیف کی طرف مائل



رہے اور کئی رسالے اپنی یادگار چھوڑے جو فارسی زبان میں ہیں۔ محمد حسین آزاد نے اپنی کتاب 'آبِ حیات' میں لکھا ہے کہ انہوں نے صرف پندرہ برس کی عمر میں ہی پہلا رسالہ لکھا۔ مشہور ہے کہ اکیس برس کی عمر سے ہی انہوں نے فقیرانہ لباس زیب تن کر لیا مگر ساری عمر دین و دنیا دونوں سے تعلق رکھا۔ شادی بھی کی اور دنیاوی دلچسپیوں کے ساتھ ساتھ شرعی طور زندگی گزاری مگر نہ کبھی کسی دربار سے وابستہ ہوئے نہ غیر ضروری مدح سرائی کی۔

خواجہ میر درد کا ایک دیوان فارسی اور دوسرا اردو میں ہے۔ ان کی غزلیں زیادہ طویل نہیں ہوتیں۔ عام طور پر پانچ سات یا نو اشعار لکھے ہیں۔ تصوف سے قربت کے سبب ان کے خیالات میں سنجیدگی، متانت اور دردمندی ہے۔ سوز و گدگ کی بھی کمی نہیں۔ کلام میں بے حد روانی اور آمد ہے۔ انداز بیان عام طور پر سیدھا سادہ اور سلیس ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ان کے دل پر عشقِ الہی کے سبب جو کچھ گذرتی ہے اسے اشعار میں بیان کر دیتے ہیں۔ ان کا شمار اردو کے ایسے صوفی شاعروں میں ہوتا ہے جنہوں نے تصوف اور عشقِ حقیقی کو کلام کے ساتھ ساتھ زندگی کا بھی حصہ بنایا ہے۔ اردو شاعری میں تصوف پیش کش آپ نے جس خوب صورتی کے ساتھ کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

خواجہ میر درد

(۱)

تہتیں چند اپنے زے دھر چلے جس لیے آئے تھے ہم سو کر چلے
زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے
شع کی مانند ہم اس بزم میں چشم نم آئے تھے دامن تر چلے
جوں شرارے ہستی بے بود یاں بارے ہم بھی اپنی ہاری بھر چلے
ساتیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

(۲)

تجھ کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا
مرا غنچہ دل ہے وہ دل گرفتہ کہ جس کو کسو نے کبھو وا نہ دیکھا
اذیت، مصیبت، ملامت، بلائیں ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا
کیا مجھ کو داغوں نے سر و چراغاں کبھو تو نے لیکن نہ دیکھا نہ دیکھا
یگانہ ہے تو آہ بے گاہی میں کوئی دوسرا اور ایسا نہ دیکھا
حجاب رخ یار تھے آپ ہی ہم کھلی آنکھ جب کوئی پردا نہ دیکھا
شب و روز اے درد درپے ہو اس کے
کسو نے جسے یاں نہ سمجھا نہ دیکھا

تہمت	-	الزام، بہتان
مانند	-	جیسا، مطابق، ہو، ہو
بزم	-	محفل، مجلس، سہا
چشم	-	آنکھ
شرر	-	آگ کی چنگاری
بارے	-	لیکن، آخر
ہستی بے بود	-	بے وجود، ایسی ہستی جس کی کوئی وقعت نہ ہو
تلک	-	تک
جلوہ	-	نظارہ، صورت، نمائش کرنا
دل گرلہ	-	غمگین، مغموم، عاشق
کسو	-	کسی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اردو کے ابتدائی دور میں یہ انداز تھا۔
کبھو	-	کبھی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اردو کے ابتدائی دور میں یہ انداز تھا۔
اذیت	-	دکھ، تکلیف
سرد چراغاں	-	سرو ایک درخت ہے جو سیدھا مخروطی شکل کا ہوتا ہے۔ سرد چراغاں سے مراد وہ جھاڑ ہے جو سرو کی طرح ہوتا تھا اور محفلوں میں روشن کیا جاتا تھا۔
یگانہ	-	بے مثال، بے نظیر، واحد، اکیلا
حجاب	-	پردہ
شب و روز	-	رات دن
ریخ یار	-	دوست کا چہرہ، محبوب کا چہرہ

آپ نے پڑھا

□ آپ نے درد کی دو غزلیں پڑھیں۔ درد جس زمانے کے شاعر تھے اس میں غزل گوئی کا ایک رجحان عشق حقیقی یا تصوف کا بھی تھا جس سے درد بھی تعلق رکھتے تھے۔

□ درد ایک صوفی تھے اور ان کے دل میں اللہ اور اس کے بندوں کی محبت بھری ہوئی تھی۔ اس محبت اور درو مندی کا درد کی غزلوں میں کھل کر اظہار ہوا ہے۔

□ صوفی کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ کی ذات ہی اصل ہے اور باقی ساری چیزوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ مگر دنیا کی ہر شے میں اس کے بنانے والے یعنی اللہ کا جلوہ موجود ہے انسان دنیا میں رہتا ہے تو خدا کا جلوہ دیکھنے کے لیے بے چین رہتا ہے۔ اس کا وجود ایک ایسے قطرے کی طرح ہے جو دریا (یعنی اپنے اصل) سے ملنے کے لیے بے قرار ہو۔ اگر وہ اللہ سے نمل سکے تو اس کی ہستی بے معنی ہے۔ اور اللہ سے وصال ہی اس کے لیے راحت کا سبب ہے۔ یہی وہ باتیں ہیں جو درد نے ان غزلوں میں الگ الگ انداز سے بیان کی ہیں۔ انداز بیان بہت سادہ اور رواں ہے۔

□ پہلی غزل میں درد نے اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ انسان جب دنیا میں آتا ہے تو اپنی آمد کے مقصد کو بھول جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دنیا میں پھنس کر چند الزامات اپنے سر لے لیتا ہے اور ناپائیدار دنیا سے رخصت ہوتے وقت گناہوں کا شکار ہو کر جاتا ہے۔ دوسری غزل میں شاعر نے عشق الہی کی مختلف کیفیتوں کو پیش کیا ہے اور یہ دکھایا ہے کہ ایک سچے عاشق (صوفی) کی اپنے محبوب (اللہ) سے جدائی کے سبب کیا حالت ہوتی ہے۔

□ درد کی ان غزلوں میں ان کے صوفی ہونے کے اثرات نمایاں ہیں۔

آپ بتائیے

1. شاعر نے ان غزلوں میں کس کی باتیں کی ہیں اور کس کو مخاطب کیا ہے؟
2. عشق مجازی اور عشق حقیقی کا کیا مطلب ہے؟ درد کے یہاں عشق کی کون سی صورت موجود ہے؟
3. تجھی کو جو یاں جلوہ فرماند دیکھا۔ یہ بات شاعر نے کس کے لیے کہی ہے اور کیوں کہی ہے؟
4. 'حجاب رخ یار تھے آپ ہی ہم' اس مصرع کا کیا مطلب ہے؟
5. کون سی ایسی ذات ہے جس کی مثال ملنی ناممکن ہے؟
6. پہلی اور دوسری غزل میں آپ کے خیال سے کوئی فرق ہے یا نہیں؟
7. درد کی غزلوں کا انداز بیان کیسا ہوتا ہے؟

مختصر گفتگو

1. درد کا تعلق تصوف کے کس سلسلے سے تھا؟

2. (الف) فردوسیہ (ب) چشتیہ (ج) نقشبندیہ (د) ان میں سے کوئی نہیں
درد کی پیدائش کہاں ہوئی؟

3. (الف) دہلی (ب) پٹنہ (ج) لکھنؤ (د) بخارا
درد نے کتنے برس کی عمر میں پہلا رسالہ تصنیف کیا؟

1. (الف) پندرہ (ب) بیس (ج) پچاس (د) ساٹھ
درد کی شاعری اردو کے علاوہ اور کس زبان میں ہے؟

1. (الف) عربی (ب) فارسی (ج) ترکی (د) انگریزی
درد کے اسلاف کہاں سے دہلی آئے تھے؟

(الف) افغانستان (ب) ترکی (ج) بخارا (د) پاکستان

تفصیلی گفتگو

1. درد کی غزل گوئی کی اہم خصوصیات مختصراً لکھیے۔
2. درد کے حالات زندگی چند جملوں میں لکھیے۔
3. درد کی کسی ایک غزل کے تین اشعار اپنی یادداشت سے لکھیے۔
4. درد کے درج ذیل شعر کی تشریح کیجیے۔

تجھی کو جو یاں جلوہ فرماند ویکھا برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا

آئیے، کچھ کریں

1. اپنے استادوں یا دوستوں سے تصوف کے بارے میں مزید معلومات حاصل کریں۔
2. درد کی جو غزلیں آپ کے نصاب میں ہیں، ان کے علاوہ کوئی غزل تلاش کر کے اپنی کاپی پر نوٹ کیجیے۔
3. درد کے زمانے میں جو دوسرے شعرا غزلیں کہہ رہے تھے ان کا نام اپنے استاد سے پوچھیے۔